No. 2186/57 — Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-62

Phone—29
Annual Rs. 4/-
Per Copy -/12 P

جلد ۲۶۔ شمارہ ۷ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ فروری ۱۹۶۷ء

اداریہ

غالب کی صد سالہ برسی کے سلسلے کے کام

آج غالب کی وفات کو اٹھانوے سال ہو جائیں گے۔ دو سال کے بعد ان کی صد سالہ برسی ہے۔ کئی سال سے ہم اردو دوستوں کو توجہ دلا رہے ہیں کہ اس برسی کے لیے مناسب تیاری کریں۔ دہلی میں ایک مرکزی غالب سنٹنری کمیٹی بن چکی ہے جس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین نائب صدر جمہوریہ ہند ہیں اس کے سکریٹری جناب احمد محی الدین تھے۔ ان کے انتقال کے بعد اب جناب فخرالدین علی احمد اس کے سکریٹری ہیں۔ امید ہے کہ عام چناؤ کے بعد کمیٹی کا جلسہ جلد سے جلد ہوگا اور یہ مرکزی کمیٹی اپنا پروگرام بنائے گی۔ وقت اب زیادہ نہیں ہے اور جس پیمانے پر کام کرنا ہے اس کو دیکھتے ہوئے اور تیزی اور چستی کی ضرورت ہے۔

مرکزی کمیٹی کا کام تو تمام اداروں کے کاموں کو مربوط کرنا اور دہلی اور دوسرے مقامات پر بڑے پیمانے پر تقریبات کا انتظام کرنا ہے۔ دراصل اردو کے اداروں، یونیورسٹیوں کے اردو کے شعبوں اور ناشروں کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے کوئی کام طے کریں اور اسے انجام دینے کی راہیں نکالیں۔ کچھ اداروں نے اپنا پروگرام بنا لیا بھی ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند اور دہلی یونیورسٹی کے اردو کے شعبے کے پروگرام کا ہمیں علم ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بھی اس مسئلے پر غور کر رہی ہے لیکن ضرورت ہے کہ ہر ادارہ جو کام طے کرے اس کا ابھی سے اعلان کر دے تاکہ دوسرے اداروں کے پروگرام اسی کی روشنی میں بنائے جائیں۔

غالب کے سلسلے میں نئے مواد کو سامنے لانا، ان کی اردو شاعری، اردو نثر، فارسی شاعری اور فارسی نثر کی خصوصیات کو اجاگر کرنا، غالب کی عظمت کے ان پہلوؤں کو واضح کرنا جو ابھی تک مکمل کر سامنے نہیں آئے ہیں، ان کے دور کی سچی تصویر کھینچنا اور ان کے معاصرین اور تلامذہ کے سلسلے میں نئی معلومات فراہم کرنا، یہ تو ہمارا کام ہے ہی، لیکن اس کے علاوہ اس وقت سب سے زیادہ ضروری کام انگریزی اور ہندوستان کی دوسری زبانوں میں غالب کی شخصیت اور شاعری پر اچھی کتابیں شائع کرنا ہے۔ اس کے لیے دوسری زبانوں کے ادیبوں سے رابطہ قائم کرنا ہوگا جو اردو بھی اچھی طرح جانتے ہوں۔ ہندی اور تلگو میں غالب کے کلام کے تراجم کا ہمیں علم ہے۔ غالباً کچھ اور ہندوستانی زبانوں میں بھی غالب کا ترجمہ ہوا ہے اس سلسلے میں ساری ہندوستانی زبانوں میں اور انگریزی میں غالب کے تراجم اور غالب پر تنقیدوں کے متعلق بھی معلومات فراہم کرنا چاہئیں۔ پھر روسی، فرانسیسی، جرمن، جاپانی اور دوسری غیر ملکی زبانوں میں غالب کے متعلق جو کچھ شائع ہوا ہے اس کا جائزہ بھی لینا چاہیے۔ یہ بھی کوشش کرنا چاہیے کہ دنیا کے جن جن مقامات پر اردو پڑھائی جاتی ہے وہاں غالب سینٹنری منائی جائے اور اس سلسلے میں مرکزی کمیٹی کو مناسب مشورہ دینا چاہیے۔

غالب اردو کا تنہا شاعر ہے جس کی مقبولیت روز افزوں ہے اور جس کی عظمت کا احساس دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔ غالب کی یاد تازہ کرنا مردہ پرستی نہیں، اپنی اور اپنے ادب کی زندگی کا اعلان ہے اور غالب کے ذریعے سے اردو زبان و ادب کی وسعت، جامعیت، عظمت، لطافت، معنویت کی تلقین۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں حکومت ہند کو بھی دل کھول کر مدد کرنی چاہیے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ اردو کے ادارے اور یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اردو شعبے اور عام اردو دوست اس سلسلے میں خود کیا کرتے ہیں۔ اردو ادب کو غالب نے کیا کچھ نہیں دیا۔ اب اردو دوستوں کو اس کا اعتراف کر کے اپنی زندگی کا ثبوت دینا ہے اور آگے کے سفر کے لیے نئی توانائی اور نیا ولولہ لینا ہے۔

حضرت اُمید رضوی بریلوی کا انتقالِ پُرملال

بریلی۔ مشہور و معروف اور کہنہ مشق شاعر جناب عتیق اللہ خاں اُمید رضوی بریلوی آٹھ روز کی معمولی سی علالت کے بعد ساٹھ سال کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے حقیقی نواسے تھے۔

عرصہ تک آپ نے ماہنامہ "نوری کرن" و ماہنامہ "اعلیحضرت" بریلی یو۔پی کی خدمات بحیثیت ایڈیٹر انجام دی ہیں۔

(غم تاب وارثی بریلوی عفی عنہ)

مہاتما گاندھی کی یاد میں عملی کام

اردو ہندی پڑھانے کا مفت انتظام

لکھنؤ۔ گاندھی پرتی ندھی نے طے کیا ہے کہ باپو کے یوم شہادت کو عملی طریقہ پر مناتے ہوئے راستہ پر چل کر منایا جائے۔ چنانچہ ہندوستانی کا پرچار زیادہ سے زیادہ اردو پڑھے لکھے لوگوں کو ہندی سکھا کر ہندی پڑھے لوگوں کو اردو سکھا کر کیا جائے گا۔ اس لیے ندھی نے تعلیم گھر لکھنؤ کی مدد سے دس دن میں ہندی اور اردو پڑھانے کا انتظام کیا ہے۔ اس کے کلاس گاندھی پرتی ندھی کے دفتر واقع کنٹونمنٹ روڈ شام کے ۵ بجے سے ۶ بجے تک لگا کریں گے۔ ندھی کا دفتر اردو یا ہندی سیکھنے والوں کا نام ہر روز صبح دس بجے سے شام کے ۵ بجے تک لکھا کرے گا۔ (قومی آواز)

حسرت موہانی کی یاد میں تقریب

لکھنؤ۔ ہندی اردو سنگم کی جانب سے سوچیتا کیندر حضرت گنج میں مولانا حسرت موہانی کی یاد میں کل ایک تقریب ہوئی جس کا افتتاح کرتے ہوئے پنڈت آنند نرائن ملا نے کہا کہ حسرت ایک نئے دور کے پیغامبر تھے۔ ان کی یاد منانا صرف شاعری کی یاد تازہ کرنا نہیں ہے بلکہ ایک اچھے شہری اچھے انسان اور عظیم محب وطن کی یاد منانا ہے۔

جلسہ میں مسٹر اشتیاق احمد صاحب نے فاروقی خطبے میں حسرت کی شاعری کو سراہا اور مولانا ہاشم فرنگی محلی نے ان کی زندگی پر روشنی ڈالی اس موقع پر صدر جمہوریہ، وزیر اعظم، مولانا عبدالماجد دریابادی اور پروفیسر آل احمد سرور کے پیغامات بھی سنائے گئے۔ آخر میں ایک مشاعرہ ہوا جس میں ہزار لکھنوی، علی مبارک عثمانی، حیات وارثی، تسنیم فاروقی، مطرب سلطانی صدیقی، فہمی انصاری، بشیر فاروقی، ماہر مجاذ حسینی، کشفی لکھنوی، عاصم بنارسی، پیام سہالوی، ادیب جاویدی، فائق جعفری، عطا جہانگیری، عصمت ملیح آبادی، نایاب لکھنوی اور رشید قریشی نے حصہ لیا۔ (قومی آواز)

پاکستان میں غالب کی سو سالہ برسی

کراچی۔ ۸ رفروری۔ یہاں اعلان کیا گیا ہے کہ پاکستان مشہور شاعر و ادیب حضرت آغا بجانی مرزا غالب کی سو سالہ برسی منا رہا ہے۔ جشن غالب کا بھی انتظام ہے۔ شاعر، ادیب، صحافی اور با اثر لوگوں پر مبنی ایک کمیٹی بنا دی گئی ہے۔ (پندار، پٹنہ)

ہندی کے مصنف کی عزت افزائی

لکھنؤ۔ اس سال ہندی ساہتیہ سمیلن کا سب سے بڑا اعزاز ساہتیہ واچسپتی مشہور مصنف رام کرشن بینی پوری کو دیا جائے گا۔ اس مقصد سے اِلٰہ آباد میں ایک تقریب کا بندوبست کیا جائے گا۔

(سنگم، پٹنہ)

غالب کی صد سالہ یادگار

شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے طے کیا ہے کہ سنہ ۱۹۶۹ء میں ہونے والے جشن غالب میں دہلی یونیورسٹی کا شعبۂ اردو مندرجہ ذیل کام مرتب کر کے پیش کرے گا۔

۱۔ غالب نما۔ غالب سے متعلق مضامین، کتابیں، دستاویز اور تصاویر کا مکمل اشاریہ۔

۲۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے متعلق غالب کی تحریروں کی تدوین و ترتیب۔

۳۔ غالب کے فارسی کلام کا اعلیٰ ایڈیشن (ڈی لکس ایڈیشن)

(قاضی ظہیر الحسن سکریٹری شعبۂ اردو)

آدم جی داؤد اور نیشنل بنک ادبی انعامات

کراچی۔ گلڈ کی آٹھویں سالگرہ پر ۱۹۶۵ء میں شائع ہونے والی جن کتابوں کو انعامات دیے گئے ان کی تفصیل یہ ہے:۔

احمد فراز "درد آشوب" (مجموعہ کلام) پانچ ہزار روپے

(اردو نثر کی کوئی کتاب ججوں کے معیار پر پوری نہیں اتری اس لیے پانچ ہزار کی رقم ۱۹۶۵ تا ۱۹۶۶ کے افسانوی انتخاب اور اس کے بنگلہ ترجمے کے لیے مخصوص کر دی گئی) بنگلہ کتابوں کے انعامات کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

داؤد ادبی انعام

۱۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری "اردو لسانیات"	پانچ ہزار روپے
۲۔ ڈاکٹر ظہیر الدین "پاکستان میں فارسی ادب"	پانچ ہزار روپے

بنگلہ کتابوں کے انعامات کا اعلان بعد میں کیا جائے گا

نیشنل بنک ادبی انعام

۱۔ پروفیسر حمید عسکری "جراحت"	پانچ ہزار روپے
۲۔ ڈاکٹر ایس اے میانی "منی اینڈ بنکنگ"	پانچ ہزار روپے
۳۔ ایس ایم ایچ جعفری "دی فلورا آف کراچی"	پانچ ہزار روپے
۴۔ محبوب نواب اللہ "پابشا باریجا شنگما تی"	پانچ ہزار روپے
۵۔ ڈاکٹر علی محمد یونس "ادھید مجرو شتا"	پانچ ہزار روپے

یونائیٹڈ بنک ادبی انعام

بیس ہزار روپے کا یہ مستقل ادبی انعام بچوں کے ادب کے لیے مخصوص ہے۔ اس انعام کا اعلان ۲۲ جنوری ۱۹۶۷ء کو مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں کیا گیا۔ (افکار کراچی)

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھے ہوں۔

فضل الحق ایم۔اے

حافظ بدھن شریف آثم

ریاست میسور میں یوں تو بہت سے شعرا اور ادبا پیدا ہوئے اور اپنے قلم سخنداں سے اردو ادب کے چمن کی آبیاری کی اور چند ہی مشہور ہوئے حضرت آثمؔ صاحب قابل ذکر شاعروں اور ادیبوں میں سے ایک ممتاز شاعر و ادیب ہیں مگر آج تک کسی نے ان کی سوانح حیات اور شاعری سے متعلق کسی مختصر مضمون ہی میں سہی اظہار خیال کی ضرورت نہیں سمجھی آپ کے شاعری ورثہ میں ملی تھی آپ کو مطالعہ کتب کا بڑا شوق تھا آپ کلّا "تذکرہ میسور میں اردو" اور "ریاست میسور میں اردو کی نشو و نما" میں لکھا ہے حضرت آثمؔ صاحب ادیب الملک مولانا شاہ ابوالحسن ادیبؔ کے والد ماجد تھے آپ کے آبا و اجداد سلطنت بیجاپور میں اعلیٰ عہدوں پر مامور تھے زوال سلطنت کے بعد ہجرت کرکے یہاں آگئے تھے۔

حضرت حافظ بدھن شریف صاحب آثمؔ ۱۸۳۱ء کو کولار[*] میں پیدا ہوئے آپ کے والد عماد الدین اخترؔ صاحب اپنے وقت کے مشہور عالم و شاعر تھے آپ نے ابتدا میں اپنے والد ہی سے اردو فارسی پڑھی پھر درویش محمد نامی عالم و فاضل سے عربی و فارسی کا اکتساب کیا اور سات آٹھ سال کی عمر ہی میں آپ نے قرآن شریف حفظ کرلیا تھا اور پھر سری نواس راؤ نامی ایک پنڈت سے پاس کنڑی و سنسکرت کی تعلیم حاصل کی ۱۸۷۵ء میں آپ کا تقرر شقدار کی حیثیت سے ہوا اور آپ ترقی کرتے کرتے انسپکٹر پولیس بن گئے اور پنشن لی آپ نے بہت سی نظمیں، غزلیں اور قصیدے لکھے ہیں مگر افسوس کہ آپ کے لاابالی پن کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکا مجھے صرف آپ کی چند نظمیں اور غزلیں ملی ہیں جن میں سے چند درج کئے جاتے ہیں ہر بات کو عام فہم اور نرم انداز میں پیش کرنے کا ماہرانہ سلیقہ رکھتے تھے خیال و زبان کی لطافت اور شگفتگی نے آپ کے نغموں میں بے ساختگی اور اثر کے دریا بہا دئے ہیں حقیقت نگاری کو بڑے استادانہ طریقہ سے نبایا ہے آپ کی شاعری کا رنگ یہ ہے۔

آفت جاں ہے دل مرا کیا ہے — پھر کسی سے مجھے گلہ کیا ہے
آپ کی بے توجہی کے سوا — قہر کیا چیز ہے بلا کیا ہے
دل تجھے دے دیا خطا کیا کی — تو ہی بتلا مری خطا کیا ہے
ہے حصول بقا کی اک صورت — جس کو کہتے ہیں فنا کیا ہے
اعتراف عبودیت کے سوا — ایک ناچیز کی دعا کیا ہے

فکر عقبیٰ اگر نہ ہو آثمؔ
ایسے جینے میں پھر مزا کیا ہے

ذرہ اور آفتاب کی باتیں — ہیں حقیقت میں خواب کی باتیں
زندگی اور اعتماد اس پر — ہیں بقائے حباب کی باتیں
عیش شیریں نہ تلخ ہو جائے — سن کے واعظ عذاب کی باتیں

غضب کا حسن ہے قامت قیامت کی نشانی ہے
جوانی پر فدا وہ ہیں فدا ان پر جوانی ہے
ہوئی ماثور آگر پھر طبیعت کچھ مری ایسی
نہ دل میں جوش باقی ہے نہ خامہ میں روانی ہے

سب مسافر ہیں کوچ کرتے ہیں
اپنا دو دن یہاں بسیرا ہے
جتنی باتیں ہیں سب تکی ان سے
منہ کو آثمؔ نے اپنے پھیرا ہے

خوب ہے بولنے سے خاموشی — بات کرنی اگر نہیں آتی
سب پہ آتی ہے آپ کے رقت — اک مرے حال پر نہیں آتی

بوقت مرگ لقماں کی زباں پر تھا یہی جاری
خوشامد کا خوش آنا ہے بڑی مہلک بیماری

روا ہے درد و قانون و شفا میں ہے نہ میزاں میں
طبیبو کیوں مصیبت جھیلتے ہو میرے درماں میں

مدد دے ضبط خودداری بہت بے کس ہے یہ آثمؔ
دل مضطر لیے جاتا ہے پھر اس کو گلستاں میں

بحیثیت نثر نگار بھی حضرت آثمؔ مشہور مصنفوں کے زمرہ میں شامل تھے آپ کا طرز تحریر سادہ بھی ہے اور عام فہم بھی "فوائد الاسلام" "شہادت نامہ" "رسول مقبول" "میزان المنطق" میں سے ہیں۔ "رسول مقبول" میں آپ نے پیغمبر کی ثنا و صفت کے ساتھ ساتھ امت کی ابتری پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

مصنف بدھن شریف آثمؔ ستولن سلگنہ ۱۱ مئی ۱۹۱۸ء کو سلگنہ میں آپ نے اس جہان فانی کو خیرباد کہا انتقال میں لڑکے اور دو لڑکیاں اپنی یادگار چھوڑے تھے جن میں سب سے چھوٹے مولانا شاہ ابوالحسن ادیبؔ تھے

---

[*] کولار سے ۱۰ میل پر ایک گاؤں ہے (ف۔ح)

ہماری زبان

سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

اسعد حسن

حالی کا ایک نایاب قطعہ تاریخ

سائنٹفک سوسائٹی کے قیام سے لے کر مدرسۃ العلوم کی بنیاد تک کا کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے لیکن یہ دور زوال و انحطاط کا آئینہ دار بھی ہے اور غیر ملکی اقتدار کا بھرپور مرقع بھی۔ قدیم وجدید کی کشمکش کا نقطۂ عروج یہی زمانہ ہے۔ اسی زمانہ میں وقت کی سب سے اہم تحریک جو علی گڑھ تحریک کے نام سے منسوب کی جاتی ہے کی نشو و نما بھی ہوئی اور اسی زمانہ میں باشعور لوگوں کو یہ احساس ہو گیا کہ قدیم تہذیب و معاشرت کے زوال پذیر عناصر کو اب ختم ہونے سے بچایا نہیں جا سکتا اور یہ کہ قدیم علوم و فنون کو نئے علوم کے لیے جگہ خالی کرنی پڑے گی۔ اس کا احساس ہمارے شاعروں کو بھی ہو گیا تھا یہ کہنا زیادہ صحیح نہیں ہے کہ اس زمانے کی اردو شاعری نے اپنے زمانے کے حالات کا اثر قبول نہیں کیا حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ اس زمانے کے کوائف کو دیکھتے ہوئے ان سے زیادہ اثر قبول کرنے کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ لیکن جب ۲۴ رمئی ۱۸۷۵ء کو مدرستہ العلوم کے ابتدائی مدرسہ کی بنیاد پڑی تو اس کا خیر مقدم شعراء نے تو کیا ہی یہی نہیں بلکہ اس کارنامہ کی صدائے بازگشت خانقاہوں اور درگاہوں میں بھی سنائی دی چنانچہ شاہ علی احمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ شاہ ابوالمعالی انبیٹھوی ضلع سہارنپور نے دو قطعات تاریخ تہنیت ایڈیٹر انسٹیٹیوٹ گزٹ کو بھیجے جو درج ذیل ہیں۔

(۱)

اہل اسلام نے کیا خوب کیا ہے یہ عزم
مدرسہ کیجئے تیار ہو تا اس کا اجر
بارت یہ شہرۂ آفاق ہے بانی اس کے
ہیں بلند و صلہ تعمیر بھی ہے عالی قدر
حامئی دین ہے یہ مدرسہ اے اہل علی
کیوں نہ یہ مدرسہ ہو مدرسوں میں باعث فخر
سرپد خواہ کا ہو دور کہ چشم بد دور
رونق دین ہو یہ مدرسہ یا رب تا حشر

۱۸ ـــــ ۷۵

(۲)

واہ کیا اہل علی بازیب ہے یہ مدرسہ
ایسا عالی شان کب گلشن سے تا سندہ ہے
سرسے بسم اللہ کے مجھ کو ہاتف نے کہا
مرحبا اہل علی فخر المدارس ہند ہے

۱۲۹۲ ہجری

منشی سید حسین جو گورکھپور کے ایک سربرآوردہ رئیس تھے اور ناظر عدالت سے ترقی کر کے بعد میں اول درجہ کے سب جج بھی ہو گئے تھے اور اودھ کمیشن کے متعبد حکام کے زمرہ میں شامل تھے سرسید اور ان کی تحریک سے خصوصی شغف رکھتے تھے چنانچہ ان کے چندوں میں بھی شریک و سہیم رہتے تھے سرسید ہال میں موصوف کے نام کا ایک کمرہ بھی ہے۔ مدرستہ العلوم کے ابتدائی دنوں میں انھوں نے اپنے چار صاحبزادوں کو کالج میں داخل کر دیا تھا انھوں نے بھی مدرستہ العلوم کی رسم تاسیس کے موقع پر دو قطعہ تاریخ بھیجا جو حالی نے حیات جاوید میں درج کیا ہے اس کے علاوہ بھی ان کے چند قطعات تاریخی ۶ راگست ۱۸۷۵ء کے گزٹ میں شائع ہوئے تھے جو درج ذیل ہیں۔

(۱)

مدرستہ الاسلام علی گڑھ   جاری شد باللہ الاعلیٰ
مصرع سالش گفتم ناظر   چشمۂ فیض الٰہی بادا

(۲)

صد مایہ رحمت اندریں است   ایں مدرسہ نیست خانقاہ است
گفتند مجن کہ سال اجرا   سرچشمہ رحمت الٰہ است

(۳)

بہر مسلمانان ہند   مدرسہ شد با تمکین
جاری و گفتم سال او   چشمۂ آب حیات است ایں

حالی نے مدرسہ کی رسم تاسیس کے موقع پر خود بھی ایک قطعہ کہا تھا لیکن غالباً یہ حالی کی فطری انکساری تھی کہ انھوں نے حیات جاوید میں جہاں دوسرے شعراء کے قطعات تاریخی کا تذکرہ کیا ہے خود اپنے قطعہ کا ذکر تک نہیں کیا حالانکہ ان اشعار کو پڑھنے کے بعد حالی کی زبان کے اعجاز کا تو قائل ہونا ہی پڑتا ہے ساتھ ساتھ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ اس تاریخ ساز موقع پر شاعر کا قلم وجد کر رہا ہے ذیل میں ہم حالی کا وہ قطعہ درج کرتے ہیں جس کے ایک ایک شعر سے مبارک سلامت کی صدائیں نکل رہی ہیں اس قطعہ کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ حالی کے مجموعہ نظم میں نہیں ملتا۔

مژدہ کہ وقت جہاں گنج سعادت ہے آج
فتنۂ ایام سے سب کو فراغت ہے آج
آج کی ایک ایک گھڑی سارے برس کا ہے حول
ملک کی مجد دسہ کا روز ولادت ہے آج
پودا لگاؤ گے جو پودے گا وہ بارور
مینہ کی طرح ہر طرف بارش برکت ہے آج
ہو دیں گے جو کام آج پھولیں پھلیں گے سدا
سینوں میں کچھ اور ہی جوش مسرت ہے آج

(باقی صفحہ ۷ پر)

غزلیں

ایم کو شیادی راہی

آج کل میں بھی وہی ہوں اداسی ہو جو رہتا ہے
یعنی اب دل ہے نہ احساس کا وہ شعلہ ہے

پوچھنے کیا ہو مجھے دوست اور آباد مکاں
جانے کیا بات ہے مرقد کی طرح لگتا ہے

زندگی وہ درد کی دیکھی ہے فقط تاروں نے
آپ کی سوئی ہوئی رات نے کیا دیکھا ہے

مٹ چکی ہوگی تری نرم ہتھیلی کی حنا
آج یہ سوچ کے دل خون ہوا جاتا ہے

چھوڑ دو تم بھی مرا ساتھ اگر جی چاہے
اب تو ہر حال میں جینے کے لیے سوچا ہے

ایک پتھر سے عقیدت تھی، زمانہ گذرا
اس باعث جسے دیکھو وہ خدا بنتا ہے

بیت یادوں کہ تمہارے لیے غزلیں لکھو
تم کسی اور کی ہو جاؤ یہی اچھا ہے!

اس نے جب زہر پیا تھا تو کہاں تھے راہی
اب کہاں آئے ہو اب خاک میں کیا رکھا ہے!

آزاد گلاٹی

تجھ بن بستی پھیکی پھیکی بے رنگ سی کیوں لگتی ہے
جب کلیاں کھلتی رہتی ہیں یادوں کی ہر انگڑائی سے

اے دل میں اٹھتے طوفانو! آنکھوں کا کیا کہنا
یہ نکلے تو رک نہ سکو گے خون کی رسوائی سے

اے دل! تیری مرگ جواں پر پہلے شکوہ کرنا تھا
روز بنے بستی سے گزرتے ہیں سب اپنی ہی آئی سے

ہم نے بستی کے سونے آنگن میں اپنا جیون کھویا
اپنے اشکوں کی شبنم سے تیرے غم کی رعنائی

سید خورشید اختر بسرانی

جو میں مقفل ہیں اپنی خزانوں میں
یہ بھی اک زمانہ ہے سیکڑوں زمانوں میں

گردش حیات آ کر رک گئی کہاں آخر
مفلسوں کی بستی میں یا بڑے گھرانوں میں

ہر طرف ہے تنہائی ہر طرف ہے ویرانی
جگنوؤں کی آشائیں بس گئیں مکانوں میں

کچھ عجیب چہرے پاس سے گزرتے ہیں
کچھ عجیب سی آواز آ رہی ہے کانوں میں

اب بھی شکم انساں وہم سے گریزاں ہے
اب تو جنت زاہد گھر ہے مجھ جوانوں میں

اف غم معاش اختر آہ یہ زباں بندی
سب حقیقتیں آخر بن گئیں فسانوں میں

اسرار اکبرآبادی

رنگوں میں کھو کے رہ گئی سانسوں کی تشنگی
تاروں کے باوجود بھی پھیکی ہے چاندنی

کلیوں کے زخم چھل گئے پھولوں سے تو اٹھی
کیا گل کھلا کے آئی ہے گلشن پہ تازگی

دنیائے رنگ و نور میں جب ظلمتیں بڑھیں
اہل کی دستوں سے چلی آئی روشنی

ساغر بچے وہ پیار کی شہنائیاں بجیں
صحن چمن میں اتری ہے شیشے کی پالکی

کانٹے تھام لیتے اگر دامن بہار
آتی نہ پھر چمن میں کسی پھول کو ہنسی

گلدستہ سخن میں کئی رنگ ہیں مگر
کھلتی رہی بزم شعر میں اسرار کی کمی

قوی لکی

غماز بن رہی ہے بہاروں میں ہر اک ادا
ہر چند اپنے ہونٹ سئے جا رہے ہیں ہم

ہم ہلاک کشمکش عشق ہیں مگر
تاریخ عمر نو کی لکھے جا رہے ہیں ہم

تم ہو رہے ہو جتنے بھی ہم سے قریب تر
اتنے ہی خود سے دور ہوئے جا رہے ہیں ہم

رک جائے کاش گردش دوراں ہی یونہی
وہ مے پلا رہے ہیں پیے جا رہے ہیں ہم

انتخابات

سعادت نظیر

ہوا رنگ کچھ ایسے رچا رہی ہے
گلستاں میں جیسے بہار آ رہی ہے

تمدن کی دنیا میں اک کھلبلی ہے
کہ ساعت قریب انتخابات کی ہے

عجب ہیں یہ ہنگامہ ہائے سیاست
نئے روپ میں آتا ہے ہر جماعت

غریبوں کی ہمدردیاں ہیں زباں پر
کہ ہے بجلیوں کی نظر آشیاں پر

بہت غم نصیبوں کی غم خواریاں ہیں!
بہت بے کسوں کی طرفداریاں ہیں

ہر اک رنگ دل ہمدم دل بن رہا ہے
کہ ہمدردیوں کے بہانے دغا ہے

جہاں کے ہیں بدلے ہوئے طور کیا کیا
دکھائے گا رنگ آسماں اور کیا کیا

خدا جانے الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے؟
جدھر دیکھیے اک قیامت بپا ہے

نئے شعبدے ہیں نئے ہیں مداری
نئے دام ہیں اور نئے ہیں شکاری

زمانے کے لب پر نرالی ہی لے ہے
ہیں بدلے ہوئے رنگ اور ایکا ہے

نئے جام میں بادۂ نیم رس ہے
ترقی پہ بادہ کشوں کی ہوس ہے

ہر امیدوار آج گل ایک گل ہے
پئے انتخابات محو عمل ہے

ہر اک کی ہے کوشش کہ آگے میں نکلوں
کسی طرح ہو اپنی تقدیر بدلوں

ہر اک رند کا ہے کچھ اب تو تقاضا
کہ پیر مغاں سے ابھی جام چھینا!

یہ ہر پیشکش میکدہ جانتا ہے
کہ ساقی ہی بننے پہ ہر اک تلا ہے

شراب حکومت ہے وہ مرد افگن
بجا ہے جو کہئے اسے "عقل دشمن"

جو دریا دلی آج دکھلا رہے ہیں
انھیں دیکھنا کل کترا رہے ہیں

کہاں ان میں بے لوث خدمت کے جذبے
عمل سے بہت دور ہیں ان کے خطبے

زباں اور ہے ان کی، دل اور ان کا
بھروسے کے قابل نہیں طور ان کا

بچے یار سے کوئی، ان کی بلا سے
غرض ہے انھیں اپنے ہی مدعا سے

یونہی سیکڑوں وعدے کل بھی کئے تھے
مگر آج تک ہو سکے وہ نہ پورے

وہ کہتے تھے کیا اور کیا کر گئے وہ!
وفاؤں کے بدلے جفا کر گئے وہ

فریب تمنا سے مجبور ہیں سب
حقیقت کے آئین سے دور ہیں سب

عوام آج افکار سے ہیں پریشاں
کہ ہیں بے نوائی سے اک نقش حیراں

بہت بے قرار ان کا قلب حزیں ہے
مگر پوچھنے والا کوئی نہیں ہے

جو پاتے ہیں فرصت کبھی شور و غم سے
فلک کی جفا سے، زمیں کے ستم سے

تو یہ سوچتے ہیں کہ اب کیا کریں ہم؟
نہ دیں رائے کس کو؟ کسے رائے دیں ہم

ہر امیدوار آج معصوم ادا ہے
خبر کیا؟ یہ رہ زن ہے، وہ رہ نما ہے

شعور اپنا جب تک نہ بیدار ہوگا
گلستاں میں گل کی جگہ خار ہوگا

خلوص و صداقت کی تکذیب ہوگی
تو تعمیر کے بدلے تخریب ہوگی

مری قوم یارب عجب حال میں ہے
کہ ہر بھیڑیا بھیڑ کی کھال میں ہے

نہ کیوں صاف کہہ دوں؟ جو ہے بات جی میں
کہ درد وطن کم ہے اہل وطن میں

انشاء اللہ خاں انشا

انشاء اللہ خاں انشا نے اگرچہ اپنی تصنیف "دریائے لطافت" میں شاہجہاں آباد سے اپنے تعلق کا اظہار کیا ہے لیکن اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ ان کے دادا وہاں پیدا ہوئے تھے اور خود انھوں نے کچھ عرصے تک وہاں قیام کیا تھا ان کے ایک ملاقاتی شیخ احمد علی نے لکھا ہے کہ

"سید انشاء اللہ خاں انشا تخلص ہمین پور مخبر الدولہ سرآمد اطبائے زماں میر ماشاء اللہ جعفری النسب نجفی الوطن است اجدادش شاہ نور اللہ نجفی در ہندوستان متولد گشتہ و میر ماشاء اللہ خاں بخلاف پدر بزرگوار سپاہیانہ ورزش دنیا نمودہ در بنگالہ علاجہائے نمایاں از وے بظہور رسیدہ و اکثر در میدان کارزار بیش از دیگراں داد شجاعت دادہ، تمام بدنش جراحتگاہ بود، در عالم تنزل کہ عہد نواب قاسم علی خاں بود پیش نواب وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ مرحوم آمد، آں روز با وصف بربادی اسباب فرا زدہ فیل ہمراہ داشت"

(مخزن الغرائب بحوالہ دستور الفصاحت حاشیہ صہ)

آزاد نے کریم الدین کی روایت کو قبول کیا ہے اور کریم الدین نے انشاء کی ولادت کے سال کی طرف مجملاً اشارہ کیا ہے۔

"کہتے ہیں کہ ایام حکومت سراج الدولہ وغیرہ حکام بنگالہ کے اٹھارہ زنجیر فیل فیلخانہ میر ماشاء اللہ خاں صاحب کے موجود تھے انھیں ایام میں اتفاق تولد میر انشاء اللہ کا بیچ مرشد آباد کے ہوا۔"

(گلدستۂ نازنیناں صہ)

نواب سراج الدولہ ۱۷۵۶ء (مطابق ۱۱۶۸ھ) میں مسند نشین ہو کر ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ میں گرفتار ہو کر قتل ہوئے یوں انشاء کا سال ولادت ۱۱۶۸ھ کو سمجھنا چاہیے۔ مبتلا نے انشا کو بچپن میں دیکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"راقم حروف وی را در صغر سن ہنگام دولت میر محمد جعفر خاں بہادر دیدہ بود"

(گلشن سخن بحوالہ دستور، حاشیہ صہ)

میر جعفر کا زمانہ ۱۷۵۸ء سے ۱۷۶۰ء تک کا ہے ان کے عہد میں انشا کی عمر پانچ سال سے زیادہ نہ تھی، میر جعفر کے بعد میر قاسم بنگالہ کے نواب ہوئے لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد ۱۷۶۴ء میں بکسر کی لڑائی میں شکست پا کر کہیں روپوش ہو گئے اور پھر ان کا پتا نہ چل سکا اس جنگ میں نواب شجاع الدولہ اور شاہ عالم بادشاہ بھی شریک تھے میر ماشاء اللہ کے پاس اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ بنگالہ کی سکونت ترک کر کے نواب شجاع الدولہ کے ہمراہ اودھ چلے آئیں اس وقت انشا کی عمر آٹھ سال کے قریب تھی یوں ان کی تعلیم و تربیت اودھ ہی میں ہوئی شیخ احمد علی نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"سید انشاء اللہ خاں موصوف در صغر سن کتب صرف و نحو و منطق و حکمت حمد را خواندہ، چوں بہ شانزدہ سال رسید بحضور نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ داخل جلیسان شد و دراں وقت دیوان ہندی بطور خود و بہ طرز نو بی استاد ردیف وار تمام نمودہ بود و پارہ از اشعار فارسی و عربی ہم بر اوراق ثبت داشت چوں بصورت مطبوع و تقریر دلچسپ یافتہ بود و در تمام دربار احدی بجز تکلم او نمی رسید مورد عنایات بندگان عالی و محسود اہل دربار شد"

اس بیان کے مطابق انشا نے اپنا پہلا دیوان بغیر کسی استاد کے مشورے کے ۱۱۸۴ھ کے قریب مکمل کر لیا تھا مصحفی جو عمر میں انشا سے بڑے بھی تھے ۱۱۸۵ھ میں اودھ پہنچے انھوں نے ایک قطعہ میں چوٹ کی:

بعضوں کا گماں یہ ہے کہ ہم اہل زباں ہیں
دلی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہیں
سیکھی کے رسالے پہ بنا ان کی ہے ساری
سو اس کے بھی گھر بیٹھے وہ آپ ہی نگراں ہیں

نواب شجاع الدولہ کے انتقال (۱۱۸۸ھ) کے بعد میر ماشاء اللہ کے لیے اودھ کا ماحول غالباً سازگار نہیں رہ گیا تھا قسمت آزمائی کے لیے انھوں نے دوسرے مقامات کا رخ کیا انشا ان کے ہمراہ تھے اس کی تفصیل شیخ احمد علی کے الفاظ میں یوں ہے۔

"آخرہا چوں زمانہ با ہیکام ناکساں دید کر یاد آوردہ در فرخ آباد منزل گزید، نواب مظفر جنگ چیزی بقدر ضرورت تواضع می کرد چند سال است کہ درہماں شہر بجوار رحمت ایزدی پیوست و مزارش نیز ہماں جاست"

نواب مظفر جنگ کو اپنے والد کے انتقال (۱۱۸۵ھ) کے بعد اقتدار حاصل ہوا۔ لکھنؤ سے میر ماشاء اللہ کی روانگی کا زمانہ ۱۱۸۸ھ (وفات شجاع الدولہ) کے بعد کا واقعہ ہے چنانچہ انشا کے حالات میں بھی شیخ احمد علی کا بیان یہ ہے کہ

"بعد چندی کہ نواب وزیر قضا کرد و دربار آصف الدولہ مجلس امرا اول شد، خان فرور چندی بہ لشکر نواب ذوالفقار الدولہ میرزا نجف علی خاں مرحوم و معلی در بوندیلکھنڈ و بعد چند روز باز ہمراہی پدر بہ دہلی رفتہ با محمد بیگ خاں ہمدانی گزرش بود و چند بار خود را برو دہانۂ توپ و تفنگ و تیر و تبر زد لیکن چوں حیات مستعار باقی بود بسلامت برگشت۔"

نواب ذوالفقار الدولہ کا زمانہ ۱۱۸۵ھ سے ۱۱۹۶ھ تک کا ہے ظاہر ہے کہ اسی دوران میں انشا بندیل کھنڈ ہوتے ہوئے دہلی پہنچے ہوں گے معلوم ہوتا ہے کہ میر انشاء اللہ دوبارہ فرخ آباد واپس آئے میر ولی اللہ کے بیان سے اس کی توثیق ہوتی ہے۔

"میر انشاء اللہ خاں........ دوسرہ بار وارد بلدۂ
فرخ آباد شد"

(تاریخ فرخ آباد بحوالہ دستور ص۱۰)

مولانا محمد حسین آزاد کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ انشا دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے نابینا ہو جانے (۱۲۰۲ھ) کے بعد بھی کچھ عرصہ تک رہے۔ شیخ احمد علی کے مذکورہ بیان سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید انشا عہد آصف الدولہ میں لکھنؤ نہیں رہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ آصف الدولہ کے آخری زمانے میں لکھنؤ واپس آ چکے تھے اس کا پتا انشا کے اس شعر سے بھی چلتا ہے۔

بیٹھا ہو جہاں پاس سلیمان کے آصف
واں کیوں نہ جھکے قیصر و فغفور کی گردن

انشا کے لکھنؤ پہنچنے کے بعد شیخ مصحفی کے مشاہرے میں کمی آئی چنانچہ مصحفی نے طنزاً کہا۔

چالیس برس کا ہی ہے چالیس کے لائق
تھا مردِ مسن کہیں دس بیس کے لائق؟

اگر اس شعر پر اعتماد کریں تو اس موقع پر انشا کی عمر چالیس برس کے قریب ہونی چاہیے یعنی یہ واقعہ ۱۲۰۸ھ کے قریب کا سمجھا جانا چاہیے۔ مولوی کریم الدین نے انشا کے حالات میں لکھا ہے کہ

"درمیان ۱۲۰۰ھ کے وہ اس شہر (لکھنؤ) میں تھا مرزا
سلیمان شکوہ کی عنایت اس پر تھی؟"

(طبقات ص۲۱۴)

لیکن مصحفی کے مذکورہ شعر پر نگاہ کریں تو یہ سنہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے علاوہ غلام قادر روہیلے کی شورش کا زمانہ بھی ۱۲۰۰ کے بعد کا ہے جب بقول آزاد انشا دہلی میں تھے۔ تاریخوں کے سلسلے میں کریم الدین نے اکثر غلطیاں کی ہیں اور یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ لکھنؤ میں تقریباً پچیس سال گزارنے کے بعد انشا نے ۱۲۳۳ھ میں سفر آخرت کیا اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال کے قریب تھی احمد علی یکتا نے ان کے آخری زمانے کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔

"عمرش تخمیناً از شصت سال تجاوز بود... آخر آخر
مجنوں شدہ چند سال گذشتہ بودند کہ بہ جہاں مرض
درگذشت" (دستور خاتمہ ص۱۰)

۱؎ مصحفی کی ولادت ۱۱۶۱ھ کے قریب ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۴۷ سال یا کچھ زیادہ ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ اس وقت انھیں بوڑھا نہیں کہا جا سکتا البتہ محض مبالغہ کے خیال سے انھوں نے خود کو "مردِ مسن" کہہ دیا ہے۔

صفحہ ۴ سے آگے

قوم کے ہمدرد سب آئے ہیں کس جوش سے
کیسی تمنا بھری گرمیٔ صحبت ہے آج
دولت جاوید کی پڑتی ہے بنیاد یہاں
قوم کی بے طالعی ہند سے رخصت ہے آج
بیڑے سے جو تیز رو پہنچے وہ دریا کے پار
ڈوبی ہوئی ناؤ کے ترنے کی نوبت ہے آج
رہیو مبارک سدا ساعت مسعود یہ
برسوں میں ہوتی وصول یاروں کی محنت ہے آج
دولت برطانیہ روز فزوں ہو جیو
قوم کو یہ دن نصیب جس کی بدولت ہے آج
قوم کے ہمدرد سب مل کے پڑھیں فاتحہ
نکبت وادبار کی ملک سے رحلت ہے آج

۸ جنوری ۱۸۷۷ء کو مدرسۃ العلوم کی بنیاد کا پتھر لارڈ لٹن کے ہاتھوں رکھا گیا اس موقع پر مرزا حاتم علی بیگ مہر نے ایک قطعہ کہا جو ان کے دیوان "الماس درخشاں" مطبوعہ نومبر ۱۸۹۵ء میں نہیں ملتا۔ یہ قطعہ ۱۹ فروری ۱۸۷۷ء کے گزٹ میں شایع ہوا تھا۔

اے جناب ویسرائے لارڈ لٹن
بر بنائے مدرسہ نیکست قدم
سید احمد خاں بہادر راسعید
میزبانہ کل ادا کردن رسوم
شاد شاد احباب در بزم سرور
ششدر و اندوہ گیں اعدائے شوم
مہر بر ایں مدرسہ بنوشت سال
صاحب تو مصدر فیض علوم
۱۸۷۷

م ۔ اصلاحات

غالب سے منسوب ایک شعر کے بارے میں

انجمن کے ہفتہ وار پرچے "ہماری زبان" کا میں شائق تو ہوں مگر خریدار نہیں۔ کبھی کبھار کسی کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ حال میں ۲۲ ستمبر ۱۹۹۶ء کا پرچہ ماہر القادری صاحب نے بتاکید دیکھنے کو دیا، پڑھنے کے بعد آپ کو یہ تحریر بھیجنا ضروری معلوم ہوا۔

صفحہ ۸ پر آپ کے ایک نوٹ کا عنوان ہے
"غالب سے منسوب ایک شعر کے بارے میں"
"یہ شعر کس کا ہے۔"

دل آپ کا کہ دل میں جو کچھ ہے سب آپ کا
دل لیجئے مگر مرے ارمان نکال کے

یہ شعر امیر مینائی کا ہے جو مطبوعہ ہے، مگر ان کے دو دواوین "مراۃ الغیب" یا "صنم خانۂ عشق" میں نہیں تھا، البتہ کسی گلدستے میں پوری غزل کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ "دامن گلچیں" میں یا "دل گداز" میں۔ "دامن گلچیں" خیر آباد سے وسیم شاگرد امیر مینائی نکالا کرتے تھے اور "دل گداز" غالباً عبدالحلیم شرر کا پرچہ تھا۔ میرے پاس ایک چھوٹی سی قلمی کتاب (جیبی نوٹ بک) ہے جس میں امیر مینائی کی متعدد غزلیں اور قطعات مندرج ہیں۔ یاد پڑتا ہے کہ والد مرحوم (محمد احمد مینائی) جو امیر مینائی کے بڑے بیٹے تھے انھوں نے اس کلام کے متعلق یہ بتایا تھا کہ بیشتر حصہ مطبوعہ ہے اور مختلف رسائل اور گلدستوں میں شائع ہو چکا ہے لیکن دونوں عاشقانہ دواوین مراۃ الغیب یا صنم خانۂ عشق میں شامل نہیں ہو سکا۔

اس شعر اور اس کے ساتھ کی غزل کی شانِ نزول "سیرت امیر مینائی" مؤلفہ شاہ ممتاز علی آہ اسیٹھوی میں صفحہ ۱۲۳ تا صفحہ ۱۲۶ پر تفصیل سے مندرج ہے۔ حضرت داغ کے دکن چلے جانے کے بعد رامپور میں امیر و داغ کے شاگرد بڑی باقاعدگی سے ہر ماہ مشاعرے کیا کرتے تھے۔ ایک بار امیر کے شاگرد طرح کا مصرعہ دیتے، دوسری بار داغ کے تلامذہ۔ انھیں میں سے ایک مشاعرہ اس زمین میں منعقد ہوا۔ منشی ممتاز علی، مؤلف "سیرت" نے زمین کے پامال ہونے کے عذر سے غزل کہنے کا خیال ترک کر دیا تھا۔ جب حضرت امیر کو معلوم ہوا تو خفا ہوئے اور ان کو بلا کے تاکید فرمائی کہ غزل کہو ورنہ شعر کہنے سے توبہ کر لو۔ تب آہ اور دیگر تلامذہ نے محنت کر کے بڑی جاندار غزلیں کہیں اور خوب خوب شعر نکالے۔

حضرت امیر مینائی نے بھی شاگردوں کو یہ جتانے اور بتانے کے لیے کہ زمین کیسی ہی پامال اور سنگلاخ کیوں نہ ہو شاعر کی طبیعت میں اگر اپج ہے تو اچھے شعر بہر حال نکالے جا سکتے ہیں، اس زمین میں دو غزلہ کہا۔ امیر مینائی کی پہلی ملاقات میر محبوب علی خاں آنجہانی سے بنارس میں مہاراجہ بنارس کے ہاں کلکتے سے واپسی پر راجہ صاحب بنارس کے اصرار سے بنارس میں چند گھنٹوں ان کے مہمان رہے تھے وہیں امیر مینائی باریاب ہوئے۔ جب شعر سنانے کی فرمائش ہوئی تو امیر مینائی نے پہلے تو اپنا تصنیف وہ مسدس سنایا جس کا پہلا بند یہ ہے۔

اللہ اللہ نیا رنگ ہوا عالم کا
پرتوِ مہر سے ذرّے کا ستارا چمکا
بڑھ کے قطرے سے ملا بحرِ کرم حاتم کا
آئینہ دل کا بنا جامِ جہاں بیں جم کا
آسمانوں نے درِ فتح و ظفر کھول دیے
سر پہ نسرین ہما بن گئے پر کھول دیے

پورا مسدس "امیر المطابع حیدر آباد دکن" نے الگ چھاپا ہے، کچھ منتخب بند "سیرت امیر احمد امیر مینائی" مؤلفہ آہ اسیٹھوی کے صفحہ ۱۳۲-۱۳۳ پر بھی درج ہیں۔

مسدس کو سن کر آصف سادس بہت متاثر و مسرور ہوئے اور حاضرین جلسہ سے روایت ہے کہ خود ہاتھ بڑھا کر کاغذ امیر مینائی سے لے لیا، اس کے بعد غزل کی فرمائش ہوئی تو انھوں نے یکے بعد دیگرے کئی غزلیں سنائیں جن میں پہلی غزل یہی تھی۔ دو غزلہ تو بہت طویل ہے "سوانح امیر میں" جو شعر درج ہیں، مقطع کے اضافے کے ساتھ وہ یہاں نقل کیے دیتا ہوں۔

آئے ہیں عطر سر میں دلہن کا وہ ڈال کے
کیا کیا سہاگ ہیں مرے روزِ وصال کے
مشکل بہت پڑے گی، برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے
اے جان اپنے غمزے کا تم روکتے نہیں
بیدرد لے چلا ہے کلیجا نکال کے
میرے تمہارے بیچ میں آتا ہے بار بار
کمبخت پانوں بھی نہیں تھکتے دلال کے
دل آپ کا کہ دل میں ہے جو کچھ سب آپ کا
دل لیجئے مگر مرے ارمان نکال کے
آئی سحر ادھر کہ ادھر شام ہو گئی
دو دو گھڑی کے ہونے لگے دن وصال کے
راہ فنا نہ گرد رواں سے بھی طے ہوئی
شعلے بھی رہ گئے ہیں زبانیں نکال کے
دستِ اجل سے عشق میں گلبازیاں رہیں
سر رکھ دیا ہے دار پہ ہم نے اچھال کے

داغ گئے ابھی تو دبے جاتے ہیں اختر
دو چار چھینٹے دو عرقِ انفعال کے
(احتشیل احمد مینائی)

لفظ "چورنی"

"چوٹّے" کا مونث "چوٹّی" تو مستعمل ہے لیکن "چور" کا مونث کہیں نظر سے نہیں گزرا تھا۔ البتہ شاہ رفیع الدین دہلوی قدیم مترجم قرآن کے ترجمہ قرآن مجید کے ایک ایڈیشن میں السارقۃ کے لیے لفظ "چورنی" نظر سے گذرا۔

شاہ صاحب کا شمار اہلِ زبان میں ہے۔ اس لیے ان کی سند بھی کافی ہو سکتی ہے لیکن اگر ایک آدھ سند کہیں اور سے بھی مل جاتی تو دل کو مزید اطمینان ہو جاتا۔

پھر یہ امر بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ شاہ صاحب کے ترجمے کے میں نے پانچ مختلف ایڈیشن دیکھے مگر یہ لفظ صرف ایک ایڈیشن میں ملا اور یہ ایڈیشن تاج کمپنی (لاہور کراچی) کا مطبوعہ چھوٹی حائل کی صورت میں ہے۔

(عبد الماجد دریا باد بارہ بنکی)

لغت — مذکر یا مونث

ہماری زبان میں لفظ لغت کی تذکیر و تانیث پر جو بحث شروع ہوئی تھی میری ناچیز رائے میں وہ یکم نومبر ۷۶ء کے شمارے میں محترمی صفدر آہ کی محکم اور مدلل تحریر پر ختم ہو گئی لیکن ۱۵ جنوری ۷۷ء کے ہماری زبان میں رشید الدین صاحب (حیدرآباد) کا ایک اور مراسلہ اس موضوع پر دیکھ کر تعجب ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ ڈکشنری کے غلط قیاس اور آج کل کے ناقص ماحول کی وجہ سے میں خود لغت کو مونث بولنے لگا تھا لیکن حضرت آہ کی تحریر پڑھ کر میں نے جو لغات اور رسائل تذکیر و تانیث پر نظر ڈالی تو فرہنگ آصفیہ، جامع اللغات، نور اللغات وغیرہ نے اور رسائل تذکیر و تانیث میں جلال لکھنوی، صفدر مرزا پوری (شاگرد جلیل) الغرض سب نے متفقہ طور پر لفظ لغت کو مذکر تحریر کیا ہے۔ بلکہ لغات نے تو واضح طور پر فرہنگ، ڈکشنری، بول لغۃ وغیرہ ہر معنی میں اس لفظ کو مذکر لکھا ہے۔ مجھے کسی لغت میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں ملا۔ اس کے علاوہ امیر اور آتش کے دو شعر بھی ہیں جن میں علی الترتیب لغت مذکر ہی نظم ہوا ہے۔

توحید کردگار کی فرہنگ ذو فنون دیکھا ؛ تیرے سوا ہرگز نہیں ہے دلیل و بیم کا
خورشید میں نے اس کو لکھا تو کیا عیب ؛ بحرِ بیکراں کتاب میں یہ لغت منتخب تھا

ظاہر ہے اس کے بعد تانیثِ لفظِ لغت کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔ اور میری طرح رشید صاحب بھی لغات سے استفادہ کر لیتے تو اس غیر معقول تحریر کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ سیدھی سی بات ہے جس لفظ کو تمام مستند اربابِ لغت، تمام صاحبان رسائل تذکیر و تانیث اور تمام اساتذہ کرام بالاتفاق مذکر مان چکے ہیں اس کی تذکیر قانون زبان کہی جائے گی، قانون سے انحراف سہواً ہو یا عمداً، اہلِ زبان اردو کریں یا ابنائے اردو مجھ سے سرزد ہو یا آپ سے سرزد ہو، بہر حیثیت غلط اور خطا ہے۔ اس خطا پر مثل ہیر پھیر ڈالنے کی بجائے اسے زبان کے بگاڑنے کا بہانہ بنانا کتنا بڑا ظلم ہے۔ سارے لغات اردو متحد اللفظ اور متحد الصوت ایک طرف ہیں اور مولوی عبد الحق کی غلط نگارش دوسری طرف ہے۔ آپ ہی بتائیے کہ مولوی صاحب کے خلاف فیصلہ ہوگا یا نہیں؟ اس میں شک نہیں کہ مولوی صاحب نے اردو کو بہت سی گرانقدر کتابیں دی ہیں جن کے لیے اردو ہمیشہ ان کی احسان مند رہے گی لیکن ان تصنیفات کے لیے فضیلت اور زبان دانی کی جگہ ان کی تنظیمی قابلیت اور کام کرنے اور لینے کی صلاحیت قابل تعریف ہے۔ رشید صاحب جس شہرہ آفاق ڈکشنری کا ذکر کر رہے ہیں ذرا یہ بھی تو پتہ لگائیں کہ اس میں کتنا کام خود مولوی صاحب کا ہے اور کتنا ان محرومِ شہرت لوگوں کا جو شکسپیئر کے تحفے لے کر الگ کھڑے ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر مولوی عبد الحق کی ذات نہ ہوتی تو یہ عظیم تالیف شاید ہی پایہ تکمیل کو پہنچ سکتی۔ رشید صاحب اگر مولوی عبد الحق کو بری عن الخطا اور مستند مطلق سمجھتے ہیں تو ان کو مبارک ہو لیکن دوسرے اس کے بالکل برعکس رائے رکھنے کا بھی حق رکھتے ہیں۔ مولوی صاحب کی شاذ و نادر ہی کوئی ایسی تحریر ملے گی جو عیبِ زبان سے خالی ہو۔

(خالد احمد ایم۔ اے)

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کا مطالبہ

حیدرآباد کے بعض اردو اخباروں میں وزیر خزانہ ڈاکٹر چنا ریڈی کی ایک تقریر کی رپورٹ شائع ہوئی تھی جو موصوف نے اس ہفتے ظہیر آباد میں کی ہے بتایا گیا ہے کہ تقریر کے دوران ڈاکٹر چنا ریڈی نے اردو کے تعلق سے حسب ذیل باتیں کہیں۔

(۱) "حکومت آندھرا پردیش قانون سرکاری زبان میں اردو کے تعین شدہ موقف کی روح اور مقصد کو روبہ عمل لانے کی سعی کرے گی"

(۲) "مناسب و موزوں وقت پر اس زبان کے سرکاری استعمال اغراض و مقاصد اور اردو علاقوں کی سرکاری بخشیار اعلامیہ کے ذریعہ تشریح کی جائے گی۔

(۳) "حکومت اردو سے متعلق اپنے طے شدہ پالیسی سے پیچھے نہیں ہٹے گی۔

(۴) "اردو کے حق و مفاد کے تحفظ اور اس زبان کی ترقی و ترویج کے لیے حکومت آندھرا پردیش پوری توجہ کرے گی"

(۵) "قانون سرکاری زبان میں اردو کے موقف کے تعین کے بارے میں کسی خاص کوتاہی کا جو احساس ہے اس کا پوری سنجیدگی اور کھلے دل سے جائزہ لیا جائے گا"

(۶) "حکومت اردو کے بارے میں مزید وضاحت اور اقدامات کی ضرورت کو یقیناً پورا کرے گی"

ڈاکٹر چنا ریڈی ہمارے ان گنے چنے لیڈروں میں ہیں جو ہمیشہ اردو کی حمایت میں آواز بلند کرتے رہے ہیں اور ان کے اس جذبۂ انصاف پسندی کا ہم نے ہمیشہ اعتراف کیا ہے۔ موصوف نے اس تقریر میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے اس کے لیے بھی ہم دل سے ان کے شکرگزار ہیں لیکن ساتھ ہی ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ایسی سرسری قسم کی باتوں سے جو ایک غیر سرکاری پلیٹ فارم سے کہی جائیں پورے طور پر اطمینان محسوس کرنا اردو بولنے والوں کے لیے بہت دشوار ہے "یوم جمہوریہ" سے متعدد دفاتر میں انگریزی کے استعمال کو اور تلگو کے استعمال کو رائج کرنے کے لیے جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ سے احکام نافذ اور آندھرا پردیش گزٹ میں شائع ہو چکے ہیں لیکن جہاں تک اردو کا تعلق ہے ابھی ہم صرف اس نوبت پر ہیں کہ ایک ایسے جلسہ میں جو دراصل ایک اردو ادیب کے اعزاز میں منعقد کیا گیا تھا ایک وزیر کی زبان سے چلتے چلاتے یہ بات بھی سن لیں کہ حکومت ایک "مناسب اور موزوں وقت" کا انتظار کر رہی ہے اور جب وہ مبارک گھڑی آجائے گی تو جو تھوڑی سی جگہ قانون میں اردو کو دی گئی ہے اس کو "روبہ عمل لانے کی سعی کرے گی"

کیا ہم وزیر خزانہ سے یہ پوچھنے کی جسارت کرسکتے ہیں کہ اس سعی بلیغ کا وعدہ کرنے سے قبل انھوں نے حکومت میں اپنے رفقاء کار کی بھی تائید حاصل کرلی تھی اور اگر نہیں کی تھی تو پھر ان کے اس وعدے کی سرکاری حیثیت کیا رہ جاتی ہے کیا ہم یہ اخباری رپورٹ دکھا کر حکومت کے کسی عہدہ دار سے مطالبہ کرسکتے ہیں کہ وہ اپنے دفتری کاروبار میں تلگو کے ساتھ اردو کا بھی استعمال شروع کرے۔

ان ساری باتوں کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں یہ بھی غلط فہمی پیدا ہونا بالکل قدرتی بات ہے کہ ان بیانات کا مقصد اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ آندھرا پردیش میں اردو بولنے والوں کو خاص کر موجودہ حالات میں طفل تسلیوں سے بہلایا جائے اس لیے ہم ڈاکٹر صاحب سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر چیف منسٹر اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو آمادہ کریں کہ وہ سرکاری دفاتر میں اردو کے استعمال کے بارے میں بھی عام انتخابات سے قبل ہی ضروری احکام نافذ کردیں تاکہ کوئی شخص حکومت پر وعدہ خلافی کا الزام نہ لگا سکے۔

(حبیب الرحمٰن معتمد اعزازی)

انجمن اشاعت اردو منگلور کا قیام

ریاست میسور کے جنوبی حصے میں اردو زبان کو تقریباً پندرہ برس سے آہستہ آہستہ کچلا جا رہا تھا اور اس بے زبان زبان کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ اس کی حفاظت و ترقی کے پیش نظر منگلور میں ایک انجمن کی بنیاد رکھی گئی جس کا نام انجمن اشاعت اردو منگلور رکھا گیا۔

جناب محمد سراج الدین صاحب لکچرار گورنمنٹ کالج منگلور کو صدر چنا گیا، جناب عبد الرحمٰن شریف لکچرار گورنمنٹ کالج منگلور نائب صدر، جناب ایم۔ اے مجید ٹیچر ایڈیہ ہائی اسکول منگلور سکریٹری اور جناب محمد غوث گورنمنٹ کالج منگلور خازن منتخب کیے گئے۔

(ایم۔ اے مجید سکریٹری انجمن اشاعت اردو منگلور)

دلی میونسپل کارپوریشن میں کام آنے والے تمام فارم اردو میں چھپ گئے
پبلک ان فارموں کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرے

دلی میونسپل کارپوریشن نے پبلک کی سہولت کے لیے کارپوریشن کے محکموں میں کام آنے والے سبھی فارم ہندی اور اردو میں چھپوا دیے ہیں جو متعلقہ محکموں سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ ان فارموں کو استعمال کریں۔ (الجمعیۃ)

انجمن ترقی اردو مدھیہ پردیش کے وفد کو مدھیہ پردیش بورڈ کے سکریٹری کی یقین دہانی

مدھیہ پردیش ہائر سکنڈری بورڈ کے سکریٹری شری دوبے نے یقین دلایا ہے کہ اردو اور مراٹھی میں میڈیم کے امیدواروں کے لیے اردو اور مراٹھی میں پرچے فراہم کرنے کے سلسلے میں ہمدردی سے غور کیا جا رہا ہے اور توقع ہے کہ یہ انتظام ہو جائے گا۔

ایک وفد بورڈ کے سکریٹری سے ملا تھا اور اردو اور مراٹھی میڈیم والے طلبہ کی پریشانی اور بورڈ کے فیصلہ پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ بہر صورت اردو اور مراٹھی میں حسب سابق پرچے فراہم کیے جائیں۔

وفد نے اردو مضمون کی کتب نہ ملنے کی بھی شکایت کی اور مطالبہ کیا کہ جو کتب نہیں مل رہی ہیں ان کو نصاب سے خارج کیا جائے اور ان کی جگہ دوسری کتب جو بہ آسانی مل سکیں داخل نصاب کی جائیں۔

بورڈ کے سکریٹری شری دوبے نے وعدہ کیا کہ نئے تعلیمی سال سے اردو نصاب کی جو کتب تبدیل کر دی جائیں گی اور ایسی کتب نصاب میں شامل کی جائیں گی جو ہر جگہ اور بہ آسانی دستیاب ہو سکیں۔

وفد میں ریاستی انجمن ترقی اردو کے قائم مقام صدر جناب شرقی عثمانی، جناب ستیہ نرائن اگروال، جناب سید کے۔ این۔ پردھان، جناب یوسف قریشی اور جناب شوکت بھوپالی شامل تھے۔

(سید اقت اربلی۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو بھوپال)

اردو کو یوپی کی علاقائی زبان قرار دینے کے مطالبہ پر وزیر اعظم کا مبہم بیان

رائے بریلی ۱۰ فروری، آج وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے اپنے انتخابی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے اردو کو یوپی کی علاقائی زبان قرار دینے کے مطالبہ کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ جہاں بھی ضروری ہے حکومت اردو کی تعلیم کے لیے ضروری انتظامات کر رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ نہ صرف اردو بلکہ دوسری ریاستوں میں بھی علاقائی زبانوں کے لیے ایسے ہی انتظامات کیے گئے ہیں۔

(دعوت دہلی)

دہلی یونیورسٹی میں مشاعرہ

یوم جمہوریہ کے موقع پر دہلی یونیورسٹی کے پوسٹ گریجویٹ انسٹی ٹیوٹ میں ایک مشاعرے کا انتظام کیا گیا جس کی صدارت ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی، ریڈر شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے فرمائی۔

مشاعرے کے شروع میں ڈاکٹر خلیل الرحمن اعظمی نے سامعین سے خطاب کیا اور اردو کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ مشاعرے میں جناب روش صدیقی، ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر قمر رئیس، نریش کمار شاد، کرشن موہن، شہاب جعفری، شہرت، مغیث الدین فریدی، زبیر رضوی اور مسعودہ حیات نے حصہ لیا۔

(سکریٹری بزم ادب)

ہندوستانی اور علاقائی زبانوں کے اخبارات کو زیادہ سہولتیں دی جائیں

نشریات و اطلاعات کے مختلف شعبوں کے متعلق کمیٹی نے تجویز دی ہے کہ پریس انفارمیشن بیورو کی تنظیم اس طریقہ سے ہونی چاہیے کہ علاقائی اور بھارتی زبانوں کے اخبارات کو زیادہ سہولیات اور زیادہ خبریں مہیا کی جا سکیں۔

اسے ایمانداری سے واقعاتی اطلاع فراہم کرنی چاہیے اور اعتدال کے ساتھ کام کرنا چاہیے تاکہ اس کے بارے میں پروپیگنڈہ کا ایک ذریعہ ہونے کا تعصب نہ پیدا ہو۔

کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ حکومت کو اطلاعات سے متعلق پالیسیاں مرتب کرنے کے کام کو کافی اہمیت دینی چاہیے اور اطلاعات و نشریات کے وزیر کو یہ حیثیت حاصل ہونی چاہیے تاکہ پبلسٹی کے مسائل پر وہ کیبنٹ کو مشورہ دے۔

رپورٹ میں سفارش کی گئی ہے کہ بڑے بڑے شہروں کے باہر ہندوستانی زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات کو خبریں فراہم کرنے کی پریس انفارمیشن بیورو کی ذمہ داریاں مفصل طور پر اور زیادہ وضاحت کے ساتھ وضع کرنی چاہیے۔

(دعوت دہلی)

شعبہ اردو گورکھپور یونیورسٹی میں ادبی نشست

گورکھپور یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے طلبہ کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حسن، ریڈر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے نئی شاعری کے رجحانات اور مسائل پر ایک بصیرت افروز تقریر کی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ نئی شاعری کا تعین زمانے کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ رجحانات اور انداز بیان کی بنیاد پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے نئی شاعری کے رجحانات اور انداز بیان کا تفصیلی جائزہ لیا۔ نئی شاعری کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ شاعری میں تجربہ ضروری ہے۔ نئے شعراء کو اس کی آزادی بہر حال ملنی چاہیے۔ عوام کو نئے شاعروں سے یہ مطالبہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ ان کی سطح پر آکر لکھیں، بلکہ خود انھیں نئے شعراء کی سطح پر جا کر ان کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اس کے ساتھ ہی نئے شاعروں کے لیے بھی یہ ضروری

ہے کہ وہ ایسا اندازِ بیان نہ اختیار کریں جس سے ان کی شاعری چیستاں بن جائے۔

تحقیق و تنقید ایک دوسرے کے معاون ہیں

شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اردو گورکھپور یونیورسٹی کی تقریر

شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام ۳ فروری کو ایک جلسہ میں ڈاکٹر محمود الٰہی صدر شعبۂ اردو گورکھپور یونیورسٹی نے اردو کے طلبہ کو خطاب کیا جلسہ کی صدارت ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی ریڈر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے کی۔

ڈاکٹر محمود الٰہی نے تحقیق و تنقید پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جب تک محقق صرف نئی حقیقتوں کے دریافت کرنے پر اکتفا کرتا ہے اور ان حقائق سے ضروری نتائج نہیں نکالتا اس وقت تک تحقیق کا فریضہ پورا نہیں ہوتا انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ تحقیق اور تنقید میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے کو مدد دیتی ہیں اور ان کا باہمی تعلق بہت گہرا ہے۔

تقریر کے بعد ڈاکٹر محمود الٰہی نے سرسید کے دور کی تحقیق پر ایک مختصر مقالہ بھی پڑھا۔

آخر میں ڈاکٹر محمد حسن نے شعبۂ اردو کی طرف سے فاضل مقرر کا شکریہ ادا کیا۔

(سکریٹری شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی)

ڈاتار کالج چپلون میں ادبی نشست

چپلون۔ یہاں مورخہ ۱۹ جنوری ۶۷ء اتوار کے روز ڈاتار کالج میں طلبہ کی اردو اینڈ پرشین ایسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام ایک تقریری پروگرام منعقد ہوا جس میں اردو کے ممتاز ادیب و نقاد پروفیسر ظ۔ انصاری مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے۔

شعبۂ اردو فارسی کے پروفیسر نور السعید اختر نے مہمانِ خصوصی کا تعارف کرتے ہوئے ظ۔ انصاری کی علمی ادبی اور صحافتی خدمات کا اجمالی خاکہ پیش کیا۔

ظ۔ انصاری نے اردو زبان کی ابتدا اور اس کے ارتقا پر سیر حاصل تقریر کرتے ہوئے مختلف دلائل سے یہ واضح کیا اردو ہندوستان کی سب سے زیادہ طلدار زبان ہے انھوں نے کہا کہ ہمارے ادب میں بدقسمتی سے ڈراموں کی سخت کمی ہے۔ اگر ہم مراٹھی ڈرامے اور مراٹھی تھیٹر کو اپنے لیے نمونہ بنائیں تو اس کمی کو دور کرنے کے سلسلے میں بہت بڑا کام ہو سکتا ہے۔

آخر میں ایسوسی ایشن کے سکریٹری نے مہمانِ خصوصی اور کالج کے پرنسپل کی گلپوشی کی اور حاضرینِ جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔

(بدیع الزماں خاور)

پٹیالہ میں ادبی نشست

آج مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء کی شام کو پانچ بجے جناب مہیش پٹیالوی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند)، ماڈل ٹاؤن پٹیالہ کی جائے رہائش پر سردار اودے سنگھ شائق کی صدارت میں ایک شاندار ادبی نشست منعقد ہوئی جس میں شریک کرنے والے شعرا میں جناب بسمل کپورتھلوی جناب برج لال گولی نازاں۔ جناب جوہر بھارتی۔ جناب مہیش پٹیالوی۔ جناب مدن راہی اور لسان الاعجاز سردار اودے سنگھ شائق کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(جوہر بھارتی
سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند)، ماڈل ٹاؤن پٹیالہ)

تصحیح

"۲۲ نظمیں" کے بارے میں ۸ فروری کے ہماری زبان میں جو مراسلہ شائع ہوا ہے غلطی سے مراسلہ نگار کا نام رہ گیا تھا۔

مراسلہ نگار محمد انفیع صاحب ہیں۔　　(ادارہ)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا یا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا